© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

سود، پردہ، طلاق اور مہر

"اشاعت گذشتہ میں، ڈاکٹر سیادت علی صاحب (استاذ قانون، کلیہ جامعہ عثمانیہ) کے خطبہ صدارت کے متعلق ایک مفصل استفسار، جناب مولوی ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب کی جانب سے شائع ہو چکا ہے، جس میں مسائل بحث طلب (سود، پردہ، طلاق اور مہر) کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی اصل عبارتیں بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے پاس چند اور استفسارات بھی آئے ہیں، مگر ان سب کو شائع کرنا موجب تطویل ہوگا۔ آیندہ صفحات میں ہم ان مسائل کے متعلق ایک جامع اور مفصل بحث کریں گے، جس میں امید ہے کہ تمام حضرات مستفسرین کے پیش کردہ سوالات کا جواب آجائے گا۔"

یہ امر ایک گونہ موجب اطمینان ہے کہ ہماری جدید تعلیم یافتہ جماعت میں زندگی کے مسائل کو تہذیب مغربی کے اصول و نظریات کے بجائے اصول اسلام کے مطابق حل کرنے کا میلان پایا جاتا ہے، اور اسی لیے وہ ہر اس مسئلہ میں جو ان کے نزدیک اہمیت رکھتا ہے، اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے مطالعہ، تحقیق، اور غور و فکر کی جو کم سے کم حد ہونی ضروری ہے، اور جس کو وہ خود اپنی علمی تحقیقات میں ملحوظ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، اس کو اسلامی مسائل پر بحث کرنے میں ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اجتہاد کی کوشش کی جاتی ہے جو بجائے خود کوئی نامحمود شے نہیں ہے، نہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو اس کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کے لیے جو ضروری اور ناگزیر شرائط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ان میں سے کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصول اسلامی کو جدید حالات و ضروریات پر منطبق کرنے اور اس طریقے کے زندگی کے جدید مسائل کو حل کرنے کے لیے اب تک جتنے اقدامات اس گروہ کی طرف سے کیے گئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی اتنی صلاحیت استواری اور قوت موثرہ نہ پائی گئی کہ تہذیب اسلامی کا مزاج اس کو قبول کرتا اور امت مسلمہ کی زندگی میں اس سے کوئی مفید انقلاب رونما ہوتا۔ بلکہ اس قسم کے غیر محققانہ اجتہادات نے، جن کی بنیاد ناکافی مطالعہ اور ناکافی غور و فکر پر قائم ہوتی ہے، ملت کے مزاج پر وہی اثر کیا ہے جو کسی کمزور مریض کو کچی یا ادھ کچری غذا دینے سے ہوتا ہے۔ ضعف اور اضمحلال تو دور نہ ہوا کیونکہ وہ غذا الٹی ہی نہیں جو خون صالح بناتی، اور جسم میں زندگی کی تازہ روح پھونکتی، البتہ پہلی شکایات پر سوء ہضم، بحران اور اختلال دماغی کا اور اضافہ ہو گیا!

اس تنقید سے ہمارا مقصد کسی کی تنقیص نہیں، بلکہ ہم اپنی قوم کے جدید تعلیم یافتہ گروہ کو اس کی اصلی کمزوری سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایک مدت سے جو ضعف و اضمحلال اور جمود و خمود طاری ہے وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان میں جہاد و اجتہاد کی وہ روح بیدار نہ ہو جائے جو ان کی تہذیب کو پھر سے ایک متحرک اور نامی تہذیب بنا دے لیکن جب ہم ان لوگوں پر نظر ڈالتے ہیں جن سے اس باب میں کوئی امید وابستہ کی جا سکتی ہے، تو ساری امیدیں مایوسی سے بدل جاتی ہیں۔ ایک طرف علماء ہیں جن کے پاس دین کا علم ہے علوم اسلامی کے ماخذ اصلیہ تک دست رس ہے، مجتہدین سلف کے آثار و نقوش سے استفادہ کرنے کے وسائل ہیں، تحقیق کی استعداد ہے، غور و فکر کے مواقع ہیں مگر اجتہاد کی روح نہیں، تحقیق کا شوق نہیں حتیٰ کہ اگلوں کے بنائے ہوئے راستوں سے ایک قدم آگے بڑھنے کی بھی ہمت نہیں دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ حضرات ہیں جن میں تحقیق کا شوق ہے، اجتہاد کی روح ہے، جدید ضروریات کے لحاظ سے پیش قدمی کرنے اور نئے راستے نکالنے کی خواہش اور جرأت ہے مگر اسلام کا علم نہیں، تحقیق کے وسائل تک دست رس نہیں

© rasailojaraid.com

اسلامی ذہنیت اور اسلامی طریق فکر و نظر سے بہرہ نہیں، اور کم ہے کم اتنی علمی واقفیت بھی نہیں جس سے وہ یہ سمجھ سکیں کہ اسلام کے حدود میں تحقیق و اجتہاد کی گنجائش کہاں تک ہے اور کہاں پہنچ کر پیش قدمی حدِ اسلامی سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ ان دونوں گروہوں سے مایوس ہونے کے بعد اگر کوئی امید وابستہ کی جا سکتی ہے تو اس نہایت قلیل التعداد گروہ سے جو علوم قدیمہ و جدیدہ کا جامع ہے۔ لیکن اس گروہ کا جو نمونہ ڈاکٹر سیادت علی صاحب نے پیش کیا ہے اس کو تو کسی حیثیت سے بھی امید افزا نہیں کہا جا سکتا۔ وہ محض ڈاکٹر ہی نہیں، ماشاءاللہ مولوی فاضل بھی ہیں۔ یورپ کی ایک بہترین یونیورسٹی میں تحقیق و اجتہاد کی باقاعدہ تربیت پا چکے ہیں، ہندوستان کی ایک بہترین یونیورسٹی میں قانون جیسے اہم مضمون کے پروفیسر ہیں، ان کے پاس تحقیق کے ذرائع بھی ہیں، مواقع بھی، اور اعلیٰ تربیت یافتہ صلاحیت بھی، مگر اپنے خطبہ میں چند مسائل پر انھوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے جو بحث کی ہے اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کو نہ انہوں نے سمجھا نہ ان پر غور کیا نہ ان کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات بہم پہنچائیں، اور اس کے باوجود ان پر مجتہدانہ انداز میں کلام فرمایا، اور یہ تک محسوس نہ کیا کہ کہاں کہاں ان کا اجتہاد اصول سے متجاوز ہو کر ابتداع بن گیا ہے۔

سود کے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہی وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ قرآن کے حکم تحریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشدت منع فرمانے کے باوجود مسلمانوں میں "دورِ اول ہی سے اس کی شروعات کا پتہ چلتا ہے" اور یہ کہ اس زمانہ میں "ایک نہ ایک شکل میں سود کا لین دین ہوتا تھا" اور وہ دور گذر جانے کے بعد "تو مسلمانوں میں سود کا رواج عام ہو گیا"۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ کہ "امام مالک کی مدوّنہ میں سود پر سینکڑوں مسائل کا ذکر ہے"۔ "حضرت ابن عباس بصرہ سے مکہ تک سفاتج پر کچھ زائد لینے کو جائز سمجھتے تھے"۔ "امام ابو یوسفؒ حیل شرعی کے ذریعہ سے سود لینے کو پسند فرماتے تھے"۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے "دارالامان و دارالاسلام کے مسئلہ کی بنا پر جوازِ سود کا فتویٰ دیا ہے" اور ان سب سے بڑھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کہ "سود کی وسعت اور اس کے حدود کے متعلق خود حضرت عمرؓ کو شبہ رہا ہے" اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف اس سود کو حرام قرار دیا گیا ہے جو "اضعافاً مضاعفاً" (؟ مضاعفۃ) یعنی سود در سود ہو، اور مشہور و مستند حدیث الذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالفِضَّۃُ بِالفِضَّۃِ کا منشا دراصل مبادلہ کو ختم کرنا اور بیع کو رواج دینا اور عربستان میں ایک واحد سکہ کی ترویج تھا۔ یہ تمام باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ فاضل پروفیسر نے اس مسئلہ کے متعلق کافی مطالعہ کر کے اتنا مواد بھی فراہم نہیں کیا جو اس پر کلام کرنے کے لیے کم از کم ضروری تھا۔

اگر وہ "امام مالک کی مدونہ" کو دیکھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس میں سود کے متعلق جتنے مسائل بیان کیے گئے ہیں سب کے سب سود کے تمام ممکن ابواب کو بند کرنے کے لیے ہیں نہ کہ ان کو کھولنے کے لیے، البتہ بعض جزئیات میں بظاہر سود کا جو شبہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی اور فقہ مالکی میں تھوڑا سا اختلاف ہے، حنفیہ نے حدیث الذھب بالذھب الخ میں علت حکم قدر و جنس کو قرار دیا ہے اور مالکیہ نے اقتیات و ادخار کو۔ اس بنا پر بعض صورتیں ایسی نکل آتی ہیں جو حنفیہ کے نزدیک سود کی حد میں آجاتی ہیں مگر مالکیہ کے مذہب میں وہ سود نہیں ہیں۔

سفاتج کے متعلق ابن عباسؓ سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر قرض میں سفتج لکھنا مشروط ہو تو حرام ہے" اور اگر مشروط نہ ہو بلکہ قرض لینے والا بطور خود سفتج لکھ دے تو اس میں کچھ مضایقہ نہیں۔ ابن ابی شیبہ نے تمام صحابہ اور ائمہ سلف کے متعلق لکھا ہے کہ کانوا یکرھون کُلَّ قَرضٍ جرّ منفعۃ۔ اسی باب میں سفاتج بھی آجاتے ہیں۔

امام ابو یوسف پر اس سے بڑھ کر کوئی تہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ حیل شرعی سے سود لینے کو "سند" فرماتے تھے۔ بلاشبہ انہوں نے حیل میں ایک کتاب لکھی ہے، جو بالکل فنی چیز ہے لیکن امام صاحب اور تمام بزرگان حنفیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ شرعی حیلوں کا استعمال حرام سے بچنے اور گناہ سے دور ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے کرنا چاہیے نہ کہ تکالیف شرعیہ سے بچنے اور ابطال حق و اثبات باطل کے لیے۔ اس تصریح کے بعد اگر کوئی کہے کہ سود فلاں فلاں حیلوں سے کھایا جا سکتا ہے، یا زکوٰۃ سے بچنے کی فلاں فلاں صورتیں ممکن ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ کہنے والا ایسا کرنے کو "پسند" کرتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قائل کی رائے میں اگر کوئی ایسا کرے تو قانون کی گرفت سے بچ سکتا ہے، یا بالفاظ دیگر خواہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ساتھ کچھ ہی معاملہ پیش آئے مگر دنیا میں اس کو سود خواری کا الزام دینے یا اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے کے لیے کوئی قانونی گنجائش نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے متعلق یہ انکشاف بالکل جدید ہے کہ انہوں نے دارالحرب میں "جوازِ سود" کا فتویٰ ہی دیا تھا۔ کسی چیز کو سود قرار دینے کے بعد اسے "جائز" کہنے کی جرأت شاہ صاحب تو درکنار اگر کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی کرتی تو تمام امت بالاتفاق اس کو کافر قرار دیتی کیونکہ یہ تو قرآن کا انکار ہے۔ مسئلہ جس کو اس قدر غیر قانونی الفاظ میں ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے دراصل ان الفاظ کے ساتھ کتب فقہیہ میں آیا ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان دارالحرب میں جو معاملہ ہو اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے بہت پہلے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ یہ فتویٰ دے چکے ہیں، اور ان کی اپنی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ حدیث لا ربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب اس کا ماخذ ہے۔ امام ابویوسف، شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں، لیکن امام اعظم اور ان کے جلیل القدر شاگرد کے نزدیک یہ حدیث قابل اعتماد ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ شاید نہ کہا جاتا اگر آپ کے اصل الفاظ پیش نظر ہوتے۔ آپ نے سود کے متعلق دراصل یہ فرمایا تھا کہ

اِنَّ اٰیۃ الربا من اٰخر ما نزل من القراٰن — آیت ربٰو قرآن مجید کی آخری نازل شدہ آیات
وانّ النبی صلعم قبض قبل ان یُّبیّنہ — میں سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل اس کے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَنَا فَدعوا الربا والريبة - اس کے احکام پوری طرح واضح فرماتے، وفات پا گئے

اس لیے تم سود بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شبہ ہو۔ اسے بھی چھوڑ دو۔

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک چونکہ بعض ابواب میں شبہ تھا کہ وہ ربا کی حد میں آتے ہیں یا نہیں، اس لیے آپ تاکید فرماتے تھے کہ جس چیز میں ربا کا شبہہ بھی ہو اس کو چھوڑ دو تاکہ کہیں نادانستہ تم حرام میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اس قول سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ ربا کی وسعت اور اس کے حدود چونکہ حضرت عمرؓ جیسے ماہر احکام شریعت تک کے نزدیک مشتبہ تھے اس لیے بجز ربا کی اس خاص شکل کے جس کو خاص طور پر قرآن مجید میں حرام فرمایا گیا ہے، باقی تمام اقسام کے سود ھَنِيئًا مَّرِيئًا کھاؤ اور اپنے ضمیر پر سے اس کی ممانعت کے بارگران کو بھی اٹھا دو تاکہ اندر سے کبھی دل بھی ملامت نہ کرے!

یہ ارشاد کہ قرآن میں صرف سود در سود کی ممانعت کا حکم ہے، اگر دانستہ تحریف نہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قائل نے قرآن مجید کو پڑھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ قرآن مجید میں ایک جگہ مطلقاً ربا سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے (بقرہ، رکوع ۳۸) اور دوسری جگہ خاص طور پر سود در سود کھانے کو منع کیا ہے (آل عمران رکوع ۱۴) ان میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسری آیت سے استدلال کرنا أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ کا مصداق ہے۔ قرآن مجید کا انداز بیان یہ ہے کہ کبھی کبھی وہ ایک ہی چیز کو منع کرنے کے لیے اس کی کسی خاص بدترین صنف کو لے کر اس سے منع کرتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ صرف وہی خاص صنف حرام ہے اور باقی سب حلال ہیں۔ مثلاً قتل اولاد سے جہاں منع کیا گیا ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ "اپنے بچوں کو مفلسی کے خوف سے مت قتل کرو"۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی اور غرض کے لیے بچوں کو قتل کرنا ممنوع نہیں ہے۔ ایسی اور بہت سی مثالیں قرآن میں موجود ہیں اس قسم کی آیات میں جو شخص معنی کو نظر انداز کر کے سراسر لفظ پر نگاہ رکھے گا وہ خدا جانے کن کن مکروہات و منہیات میں مبتلا ہو جائے گا۔ پھر اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی ہی لفظ کی پابندی کرنی ہے تو یہ کیوں نہ کہا جائے کہ سود در سود بھی صرف "کھانا" ممنوع ہے، باقی رہا کپڑے بنانا، مکان تعمیر کرنا اور موٹر خرید نا وغیرہ تو ان اغراض کے لیے سود در سود لینا ہرگز ممنوع نہیں، کیونکہ قرآن میں لَا تَأْكُلُوْا (نہ کھاؤ) کہا گیا ہے لَا تَأْخُذُوا (نہ لو) نہیں کہا گیا۔

الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ الخ سے شارع کا جو منشا ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے، اس کی غلطی محض پوری حدیث کے الفاظ پڑھ لینے ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔

الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبرّ بالبرّ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ سواءً بسواءٍ یداً بیدٍ فاذا اختلفت ھٰذہ الاجناس فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بیدٍ

سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا مبادلہ چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مثل اور ایک دوسرے کے مساوی ہوں اور دست بدست لین دین ہو جائے۔ البتہ اگر ان اجناس میں اختلاف ہو تو تم جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔

اس حدیث سے شارع کا یہ منشا سمجھنا کہ "مبادلہ" موقوف کیا جائے اور ملک بھر میں ایک واحد سکہ کی ترویج ہو، صرف اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس نے کہیں صرف "الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ ..." کے الفاظ پڑھ لیے ہوں اور کتب حدیث میں پوری روایت نکال کر دیکھنے کی زحمت نہ اٹھائی ہو، ورنہ یہ تو قطعاً بعید از قیاس ہے کہ کوئی عربی دان شخص اس پوری حدیث کو پڑھے (جس میں بالفاظ صریح مبادلہ کی شرائط بیان کی گئی ہیں) اور اس کا مفہوم یہ سمجھے کہ اس سے مبادلہ موقوف کر کے بیع بواسطۂ زر مسکوک کو رواج دینا مقصود ہے۔

اسی قسم کی شان تحقیق کا اظہار پردہ کے مسئلہ میں بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً دعویٰ یہ ہے کہ عہد نبوی میں

© rasailojaraid.com